مسلم، غیر مسلم تعلقات (سیرت طیبہ اور عصر حاضر)

حبیب الرحمن*

یاسر فاروق*

The Holy prophet (SAW) is the best role model. His life is full of guidance in all issues of our lives. One of these, is the relation with the non-Muslims. As Islam wants the well-being of all human beings besides the Muslim society, it does not inhibit the natural love relations and needs rather it is committed to them. Therefore, it is the main responsibility of an ideal Muslim state to take care of the rights of the non-Muslims within the state. And also cooperate with them in the necessary affairs i.e. good manners, fair treatment, justice and financial support. When Holy prophet (pbuh) laid the foundation of the first Islamic state after Hijrahand set a charter with nations for liaison. In this agreement, he proved that Muslims and non-Muslims are all equal as human beings and are equal in human compassion and relationship. He (SAW) also taught his followers high moral values and urged them to be gentle and considerate in dealing with these nations. He did not restrict his followers to be courteous with Muslims only but emphasized to be civil to nonMuslims as well and that to treat them with good manners. So that, he (SAW) gave master teachings and instructions with regard to mutual respect and moral excellence are primarily meant for Muslims, however, non-Muslims are also included in it. In his life ,we found that he gave ideas concerning human rights, collective justice, tolerance, and mutual peaceful existence in the international relations fourteen centuries ago. It is necessary for the authenticity of these concepts needs to be projected at world level in the current time. By this, the intellectual superiority of Islam and the scholarly domination of its principles in the world are to be highlighted.

Key words: relation, non-muslims, human rights, equal, relationships.

اسلام ایک معتدل دین ہے جو انسانیت کی ہر معاملے میں راہ نمائی کرتا ہے، خواہ مالی معاملات ہوں یا معاشرتی، اخلاقیات کا مسئلہ ہو یا پھر تعلقاتِ عامہ کا، اسلام نے ان سب میں درمیانی اور آسان راہ کو اختیار کرتے ہوئے انسان کی راہنمائی کی ہے جبکہ دیگر الہامی و غیر الہامی ادیان میں افراط و تفریط اس حد تک ہے کہ بسا اوقات فرد کو اس کے انفرادی حقوق بھی میسر نہیں ہوتے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معاشروں میں طبقاتی تقاسیم اس قدر بن جاتی ہیں کہ وہ ٹوٹ

*لیکچرر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، سمن آباد، فیصل آباد۔

*جزوقتی لیکچرر، شعبہ اسلامیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی روشن تعلیمات میں امن و سلامتی، شفقت و محبت، الفت و مودت، ہمدردی و خیر خواہی، انسان دوستی و خیر سگالی اور انصاف پروری جیسی صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ نیز اسلام کا پیغام ہے کہ فراخ دلی اور رواداری جیسے جذبات کو باہم فروغ دیا جائے تا کہ مخالفین کو اس کی تعلیمات سمجھنے کا موقع مل سکے۔

یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن کا اسلام روزِ اول سے داعی رہا ہے اور انہی کو اختیار کر کے نبی مکرم نے اس بقعہ ءارضی کو ہدایت سے سرشار کر دیا۔ چنانچہ اس ضمن میں یہ بات جاننا انتہائی ضروری ہے کہ انسانی تعلقات کا سماجی کردار پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ ان تعلقات کی اہمیت اس وقت دوچند ہو جاتی ہے جب ایک ہی معاشرے میں مختلف النوع افکار اور اذہان کے حامل لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اگر ان سب کے رہن سہن کے طور طریقے، رسم ورواج، تہذیبی اثرات اور مذہبی و غیر مذہبی اقدار مختلف ہوں تو معاشرے میں حقوق کی عدمِ فراہمی اور بے انصافی جیسے نتائج سامنے آتے ہیں۔ آپس میں حقوقِ مشترکہ کے حصول میں کھینچا تانی سے معاشرہ بجائے ترقی و فلاح کے زبوں حالی کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے صحت مند معاشرے کے لیے لازم ہے کہ وہ تمام قسم کے فکری و نظریاتی تعصبات، ذاتی و قومی رجحانات کو حدِ اعتدال میں قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھے تا کہ ہر فرد کو خواہ کسی بھی مذہب سے ہو، اس کے حقوق مل سکیں۔ اس وقت پوری دنیا خواہ مسلم معاشرہ ہے یا غیر مسلم، سب نے اپنی آنکھوں سے احوال کی تبدیلی کا مشاہدہ کر لیا ہے، آج وہ دور نہیں رہا جب اخبار و حوادث کے دوسرے علاقہ تک پہنچتے پہنچتے تقاضے بھی بدل چکے ہوتے تھے۔ اب جدید ایجادات نے لوگوں کی افکار کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے اور ہر معاشرے کے محاسن و محامد اور اس کے نقائص کو عیاں کر دیا ہے، اس لیے معاصر اقوام کسی بھی دوسرے معاشرے سے تعلقات استوار کرتے ہوئے اس کا ترقی یافتہ اقوام سے موازنہ ضرور کرتے ہیں۔

عصرِ حاضر میں یہی معاملہ اسلام کی تعلیمات کے ساتھ پیش آیا جب یہ بات زور و شور سے پھیلا دی گئی ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو علیحدگی پسند دین ہے اور اس کی تعلیمات فرد کو ایسے رجحانات اور سوچ و فکر کی دعوت دیتی ہیں جو دیگر مذاہب کے انکار اور ان کے ابطال کے سوا کچھ نہیں، یہ اسے انفرادیت میں دھکیل دیتا ہے اور اجتماعیت سے لاتعلقی کا درس دیتا ہے۔

اسلام در حقیقت غیر مسلموں سے اخلاقی وانسانی کسی قسم کے تعلقات کے منقطع ہونے کا رد کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ اس بات کو ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ اس کے افراد یا گروہ کسی دوسرے دین یا مذہب یا تہذیب کا حصہ بن جائیں اور کامیابی وکامرانی کے راستے کو ترک کر دیں۔ اسی طرح اسلامی ریاست کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ اس میں کل حقوق مسلمانوں سے مختص ہیں، بے بنیاد ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی دعوت وفکر کا مرکز ہی یہی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ عدل وانصاف کا قیام نیز ہر شخص کے بنیادی حقوق اور اس سے جائز تعلقات کے تحت اس کی حفاظت کی جائے۔ قرونِ اولیٰ میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، امام ابو یوسف نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں انھوں نے ایک بوڑھے عیسائی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اسے اپنے ساتھ لے گئے اور بیت المال جا کر اس کے لیے وظیفہ مقرر فرما دیا بلکہ اس پر مستزاد انھوں نے نادار ذمیوں سے جزیہ کی معافی کا حکم بھی صادر فرما دیا، آپ نے اس وقت جو جملے ارشاد فرمائے وہ اسلامی تعلیمات کے سنہرے اصولوں میں شمار ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا؛

فَوَاللّٰہ مَا أَنْصَفْنَاهُ أَن أَكَلنَا شَبَابَهُ ثُمَّ نَخْذُلُهُ عِندَ الْهَرَمِ[1]

اللہ کی قسم! یہ ہمارا انصاف نہیں کہ ہم اس کی جوانی سے تو فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں اس کو لاوارث چھوڑ دیں

محمد بن قاسم کے بارے میں تاریخ بھری پڑی ہے کہ اس نے رعایا کو ہمہ قسم کی مذہبی آزادی کا باقاعدہ اعلان کرایا اور برہمنوں (ذمیوں) کو بلا کر کہا کہ اپنے مندر تعمیر کرا لیں اور ملک کے محاصل سے جو تین فی صد مندروں کے لیے ملتا تھا وہ اسی طرح ملتا رہے گا۔[2]

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کے خلاف عالمی منظر نامے میں جو فضا بن چکی ہے اس میں خود مسلمانوں کا بہت بڑا عمل دخل ہے تاہم اس بات سے صرفِ نظر کرنا بھی انصاف نہیں کہ اسلام اپنی ساخت کے اعتبار سے آج بھی اسی طرح ہے جیسے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ عصرِ حاضر کے مسائل وابحاث کو غیر مسلموں کے سامنے سنجیدہ اور علمی طور پر واضح کرنے میں بہت دیر لگی اور ہنوز جاری ہے، لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اسلام کے وہ پہلو سامنے کیے ہوں جو تنگ نظری اور دیگر ادیان ومذاہب سے اختلافات کی بنیاد رکھنے کا سبب بنے

ہوں۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں تعلقات و روابط کا فقدان اور ان کے مابین عدمِ رواداری کی خلیج ایک طویل عرصے سے قائم ہے، جس کی بنیادی وجہ اسلام کی تعلیمات کو تنگ نظری سے دیکھنا اور اسلام کے موقف کو نہ سمجھنا ہے، حالانکہ اس کے لیے علمی سطح پر ایک بہت بڑا پلیٹ فارم بن چکا ہے۔

تکثیری معاشرہ:

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کے مابین گوناگوں اختلافات پائے جاتے ہیں، رنگ نسل ،زبان، علاقہ، تہذیب، معاشرت، عقیدہ، مذہب، کسی معاملے میں وہ یکساں نہیں، بلکہ ان سب پہلوؤں سے ان میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ان اختلافات کو نظر انداز کرنے، انھیں گوارا کرنے اور ان کے باوجود مل کر رہنے اور پر امن طریقے سے زندگی گزارنے کو موجودہ دور کی ایک اہم قدر قرار دیا جارہا ہے۔

اس کے لیے ایک اصطلاح *PLURALISM* بھی وضع کی گئی ہے، اردو میں اس کا ترجمہ "کثرت یا تکثیریت" کیا جاتا ہے، ریفرنس آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کا یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے؛

"The existence of many different groups of peoplein one society, for example people of differentraces or of different political or religious beliefs"(3)

"تکثیریت سے مراد ہے سماج میں ایسے متعدد گروہوں کی موجودگی اور ان میں رواداری، جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں یا مختلف سیاسی تصورات یا مذہبی عقائد کے حامل ہوں۔"

یہ ایک ایسی تقسیم ہے جس کی اقوامِ عالم تصدیق بھی کر چکی ہیں اور یقیناً اس کا ہمارے معاشروں میں وجود بھی ہے، لہٰذا ہماری آنے والی کلام اس تقسیم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہے۔

غیر مسلموں سے مذہبی تعلقات؛

غیر مسلموں سے تعلقات کی اقسام، نوعیت اور ان سے تعامل میں شرعی احکام کی پاسداری لازمی ہے، اس لیے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں اسلام اور کفر و شرک میں افتراق ہوتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں جن جن امور میں تعلقات کے استوار کرنے میں گنجائش موجود ہے اسے بہر صورت تسلیم کرنا ضروری ہے تاہم ان میں نرمی اور حدِ اعتدال سے صرفِ نظر کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں غیر مسلم کا داخل ہونا؛

غیر مسلم کا مسلمانوں کی عبادت گاہ میں داخل ہونا فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے، اکثر فقہاء اس موقف کے قائل ہیں کہ مسجد الحرام و مسجدِ نبوی میں غیر مسلم کا داخل ہونا جائز نہیں، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے؛
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا[4]

جبکہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ حکم عام ہے اور مراد ہر قسم کی مساجد ہیں۔
نبی مکرم کی سیرت طیبہ سے جس بات کا ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلم مسجد میں بوجوہ داخل ہو سکتا ہے جیسا کہ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ [5] اور اسی طرح عمیر بن وھب کا قصہ ہے جو نبی مکرم کے العیاذ باللہ ارادہ قتل سے آئے تھے [6]، قبیلہ ثقیف کے وفد کو مسجدِ نبوی میں آنحضور کی موجودگی میں ٹھہرایا گیا۔[7]، علامہ شوکانی نے اس کا نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛
أَنَّ الْكَافِرَ لَيْسَ بِنَجِسِ الذَّاتِ، لِأَنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ أَحَلَّ طَعَامَهُمْ، وَثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ مِنْ فِعْلِهِ وَقَوْلِهِ مَا يُفِيدُ عَدَمَ نَجَاسَةِ ذَوَاتِهِمْ،[8]

بلاشبہ کافر نجسِ عین نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کا کھانا حلال قرار دیا ہے جبکہ آپ ﷺ کے قول و فعل سے ملتا ہے کہ وہ نجس عین نہیں۔

غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں شرکت؛

اسلام میں مسلمانوں کے لیے مخصوص ایام اور مواقع ہیں جن پر انھیں خوشی و مسرت کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے بلکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛ لِكُلٍّ جَعَلنَا مِنكُم شِرعَةً وَمِنهَاجًا[9]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کے اعتقادات کے ساتھ اعیاد و مواسم اور تہوار بھی شرعاً خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں اس لیے ان میں اسلام نے شروع سے ہی تفریق کر دی ہے۔ آپ جب مدینہ میں تشریف لائے تو اس وقت اہلِ مدینہ دو دن مناتے تھے جن میں وہ کھیل کود کرتے، آپ نے دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ یہ ہمارے تہوار ہیں، آپ نے مسلمانوں کو مخاطب ہو کر فرمایا؛
اِنَّ اللهقَد اَبدَلَكُم بِهِمَا خَيرًا مِنهُمَا ؛ يَومُ الاَضحىٰ وَيَومُالفِطرِ[10]

زمانہ جاہلیت کے تہواروں کو باقی نہ رکھنا اور انہیں بدل کر دوسرے دن عید کے لیے متعین کرنا صاف مفہوم رکھتا ہے کہ مسلمان اپنے تہواروں کے علاوہ غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت نہ کریں۔ اس لیے غیر مسلموں کے تہوار کو نہ تو رواج دیا جائے اور نہ ہی ان میں شرکت کی جائے۔ اس طرح غیر

شرعی تہوار منانا یا پھر مردہ جاہلی تہوار کو پھر سے زندہ کرنا بھی ممنوع ہے۔ کفار کے تہواروں میں عام طور پر باطل نظریات سے مربوط ہوتے ہیں اس لیے ان کے کسی بھی تہوار میں شریک ہونا گویا کہ ان امور میں رضامندی کی دلیل ہے حالانکہ شرعاً ان سے براءت کا مطالبہ کیا گیا ہے، نیز یہ مومنین کی صفات کے بھی منافی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا[11]

محمد بن سیرین، مجاہد ضحاک، ابو العالیۃ، طاوس اور ربیع بن انس جیسے کبار مفسرین کا کہنا ہے کہ "زور" سے مراد غیر مسلموں کے تہوار ہیں۔[12]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان مواقع پر ایسے اہتمامات کو بھی ممنوع قرار دیا ہے جو ان کی مشابہت کا باعث بنتے ہوں، مثال کے طور پر نئے کپڑے بنوانا، چراغاں کرنا، اچھے کھانے بنانا وغیرہ [13]، علامہ ذہبی فرماتے ہیں؛ بہت سے بدکردار اور گمراہ لوگوں کو شیطانوں نے یہاں تک بہکا دیا ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں اور بدکرداروں کے تہواروں کا میلہ دیکھنے ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہیں اور اس طرح ان کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں جبکہ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا وہ انھی میں سے ہوگا[14]

فقہاء نے تعلقات کی اس نوعیت میں اس قدر سختی اختیار کی ہے کہ غیر مسلموں کے تہواروں کے مواقع پر ان کے مفاد میں جانے والی اشیاء کی خرید و فروخت تک کو ناجائز قرار دیا ہے [15]، ان کے تہواروں پر انھیں مبارک باد دینا یا تحفے تحائف کا تبادلہ کرنا بالاتفاق حرام ہے، علمائے احناف کے نزدیک ایسے کلمات ادا کرنا بھی کفر میں داخل ہیں۔[16]

اس لیے کرسمس وغیرہ جیسے مواقع یا ان کی عیدوں پر انہیں مبارک باد دینا بالاتفاق حرام ہے۔[17]

مذہبی تنظیموں یا مشنریز کی آزادی اور ان کے معابد کی تعمیر؛

عصرِ حاضر میں اسلام مخالف سرگرمیوں کی جو بہتات ہے اس سے اسلام کو بے حد نقصان پہنچایا جا رہا ہے اور اہل اسلام کے لیے یہ فتنہ بن چکا ہے۔ مختلف قسم کی ملکی و بین الاقوامی غیر مسلم تنظیمیں اس میں شریک ہیں اور اپنے نظریات اور دعوت کو سرِ عام پھیلانے میں مشغول ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسلام مخالف سرگرمیاں غیر مسلموں سے تعلقات کی بنا پر صرفِ نظر ہو جائیں گی یا ان کو روکا جائے گا؟

نبی مکرم کی تعلیمات سے سے جو احکامات حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اسلام مخالف سر گرمیاں بند کرانا شریعت کا ایک بنیادی اور اولین ہدف ہے، اس لیے کہ اصلاً اسلام ہی کا غلبہ مقصود ہے، هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (18) سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اغلبیت مقدم ہے اور اس کے مقابل کسی بھی طرح کی دعوت وفکر جو کسی اور دین کی طرف لیجائے وہ ہر گز جائز نہیں اور نہ اس پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے، مولانا ابو الاعلی مودودی فرماتے ہیں "مذہبی مراسم اور قومی شعائر کو ملک میں اعلان واظہار کے ساتھ ادا کرنے کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے کہ اہل الذمہ خود اپنی بستیوں میں تو ان کو پوری آزادی کے ساتھ کر سکیں گے، البتہ خالص اسلامی آبادی میں حکومت اسلامی کو اختیار ہوگا کہ انہیں اس کی آزادی دے یا ان پر کسی قسم کی پابندیاں عائد کر دے۔"(19)

جبکہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں" جو بستیاں امصار المسلمین میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب وخنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی خواہ کتنی ہی تعداد کیوں نہ بس رہی ہو، البتہ یہ افعال امصار المسلمین میں ناپسندیدہ ہیں، یعنی ان شہروں میں جنہیں جمعہ و عیدین اور اقامتِ حدود کے لیے مخصوص کر لیا گیا ہو۔"(20)

مولانا مودودی آگے چل کر لکھتے ہیں؛ امصار المسلمین میں بھی ان کو صلیبوں اور مورتیوں کے جلوس نکالنے اور علانیہ ناقوس بجاتے ہوئے بازاروں میں نکلنے میں ممانعت ہیں، ورنہ اپنے قدیم معابد میں اندر رہ کر وہ تمام شعار کا اظہار کر سکتے ہیں، حکومت اسلامیہ اس میں دخل نہیں دے گی(21)

سعودیہ عرب کے مفتی شیخ صالح الفوزانؒ اس حوالے سے مختلف مرویاتِ سیرت کا ماحصل یوں بیان فرماتے ہیں ؛اس طرح کفار کے ساتھ تعلقات کی نوعیت یہ ہے کہ اگر وہ ذمی ہے یا معاہدین میں سے ہوں اور ہمارے علاقوں میں ہماری ولایت کے تحت رہ رہے ہوں تو ہم انھیں ان کی عبادات میں آزادی دیں گے لیکن وہ ان کی ادائیگی خفیہ کریں گے، علانیہ ان کے لیے منع ہوگی اور اسی طرح وہ اپنے گھروں یا مخصوص مراکز تک محیط رہیں گے جہاں تک مسلمان علاقوں میں کھلے عام ان کی عبادات کا تعلق ہے تو یہ ہر گز جائز نہیں اور نہ ہی ان کے یہ حقوق ہیں۔(22)

جہاں تک تعلق ہے غیر مسلمین کے معابد کا تو مسلمانوں کے مابین رہنے والے غیر مسلموں کو عبادت کے لیے ان کے مراکز کی تعمیر بھی ریاستی امور کے تابع ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی غیر مسلم علاقے پر اگر فتح حاصل ہو جائے تو وہاں موجود عبادت گاہوں کو گرایا نہیں جائے گا، انکی مرمت کی مکمل اجازت ہو گی اور ضرورت پڑنے پر انھیں از سر نو تعمیر بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن کام ریاست کے حاکم پر موقوف ہے۔ فی زمانہ چونکہ تمام ریاستیں مخلوط معاشروں پر مبنی ہیں اور اسلامی ریاستوں میں بھی بسنے والی اکثر غیر مسلم عوام مستامنین کے حکم میں آتی ہیں۔ اسلامی معاشروں میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم، غیر مفتوح اقوام کے طور پر آزادانہ حیثیت سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ اس لیے ان کو اپنے شعائر و اصوات کے اظہار میں اجازت حکمران کی صوابدید اور اس کے شرعی اختیارات کے تحت ہو گی۔

سماجی تعلقات؛

نبی مکرم کی سیرت طیبہ سے غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت بالکل واضح ہے، آپ کا یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعامل، صحابہ کرام کے ان سے معاملات میں سختی نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ شرعاً بعض معاملات میں غیر مسلموں سے تعلقات کا قیام ممنوع نہیں۔ ذیل میں مختلف تعلقات کی صورتیں اور اسوہ حسنہ سے ان کے دلائل ذکر کیے جاتے۔

غیر مسلموں کے ساتھ کھانا تناول کرنا؛

آپ کے یہود و نصاریٰ سے جو تعلقات تھے ان میں یہ شامل ہے کہ آپ ان کی دعوتوں کو قبول فرمایا کرتے تھے۔ اہل کتاب کا طعام تو ویسے ہی جائز ہے لیکن اسلام دشمن سرگرمیوں کے باوجود ان کے ہاں جانا اور کھانا تناول کرنا آپ کی سیرت طیبہ کا ایک تابناک باب ہے۔ یہودیہ عورت جس نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا اس کی دعوت کو قبول کرنا اور اس طرح کے دیگر واقعات اس بات کے عکاس ہیں کہ آپ ان کی دعوت قبول کرتے تھے۔

رہا غیر مسلموں کے ذبیحہ کا مسئلہ تو اھل کتاب کے ذبیحے کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ حلال ہے اور مسلمان اسے استعمال کر سکتے ہیں بشر طیکہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا اور مذبوحہ جانور حلال ہو، ابن عباس، ابو الدرداء رضی اللہ عنھما اور تابعین میں سے ابراہیم، قتادۃ، سعدی، ضحاک اور مجاہد سے یہی منقول ہے[23]، علامہ قرطبی فرماتے ہیں؛

لفظ "طعام" ہر کھانے کی شئے پر بولا جاتا ہے جس میں ذبائح بھی داخل ہیں اور اس آیت میں طعام کا لفظ خاص "ذبائح " کے لیے استعمال کیا گیا ہے، اکثر علما نے اس کی تفسیر میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اہل کتاب کے عام میں جو چیزیں مسلمانوں کے لئے حرام ہیں محض وہ اس عموم میں داخل نہیں "[24]، حافظ ابن کثیر نے اس بات پر اجماع بھی نقل کیا ہے[25]

غیر مسلم پڑوسیوں سے تعلقات؛

پڑوسیوں کے حقوق و تعلقات میں جو آیات واحادیث فضیلت پر مبنی ہیں علماء کا جم غفیر ان کے عموم کا قائل ہے اور ان میں غیر مسلم پڑوسیوں کو بھی شامل کرتا ہے اور یہی صحابہ کرام کا استدلال تھا، جیسا کہ ابن عمر کے گھر بکری ذبح کی گئی تو انھوں نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ کیا فلاں یہودی پڑوسی کے گھر بھیجا ہے ؟اس لیے کہ رسول اللہ نے فرمایا: مجھے جبرائیل اس قدر پڑوسی سے حسن سلوک کی تاکید کرتا رہا کہ مجھے لگا کہیں یہ اسے وراثت میں حقدار نہ بنادے، [26]، علامہ رشید رضا مصری فرماتے ہیں؛

فَهَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ ابْنَ عُمَرَ فَهِمَ مِنَ الْوَصَايَا الْمُطْلَقَةِ فِي الْجَارِ أَنَّهَا تَشْمَلُ الْمُسْلِمَ وَغَيْرَ الْمُسْلِمِ، وَنَاهِيكَ بِفَهْمِهِ وَعِلْمِهِ.

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عمر نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک پر مبنی احکامکو مسلم و غیر مسلم دونوں پر محمول کیا ہے اور ان کا علم و فہم ہمارے لیے کافی ہے[27]، علامہ قرطبی فرماتے ہیں؛

قال العلماء الاحاديث فی اكرام الجار مطلقة غير مقيدة حتى الكافر

ہمسائے کے احترام میں وارد احادیث مطلق ہیں مقید نہیں (اور ان میں) کافر بھی شامل ہیں۔[28]

رہی بات حدیثِ " لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ "[29]، کی تو اس میں علماء کا کہنا ہے کہ اس سے مقصود نافرمان فاسق و فاجر اور کفار و مشرکین سے کثرتِ صحبت کو روکنا ہے۔[30]

کفار کی صحبت اختیار کرنا؛

غیر مسلموں کی بلاوجہ اور کثرتِ صحبت سے اجتناب ضروری ہے۔ اس لیے کہ کثرتِ مخالطت سے دین کا نقصان ہو سکتا ہے۔ کفار ایسے افراد کو جو ان کر ساتھ زیادہ رہتے ہیں اپنے دین یا مذہب کی دعوت ضرور دیتے ہیں جس کی وجہ سے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں کوئی مسلمان اسے قبول نہکر لے، البتہ ان کو دعوت

کے لیے ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے جیسا کہ سورہ کہف میں اللہ تعالی نے دو دوستوں کا ذکر کیا ہے جن میں ایک مسلم دوسرے کافر کو دعوت دیتا ہے؛

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا[31]

اس سے معلوم ہوا کہ محض دعوت کیلئے بیٹھنا جائز ہے، جہاں تک ان کے علاقوں میں مستقل سکونت کا مسئلہ ہے تو نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منع ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے؛

أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ[32]

البتہ اس مسئلہ میں جواز کی دلیل امکانی حد تک فقہ الواقع سے ہی متعین ہو سکتی ہے جسکی ایک ہی صورت ہے کہ تمام معاشروں کا تکثیری ہونا قرار دیا جائے اور یہ اقوام عالم تسلیم کر چکی ہیں جیسا کہ کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

احباب اور دوستوں سے تعلقات؛

نبی مکرم کی موجودگی میں صحابہ کرام کے قبول اسلام کے بعد بعض احوال و معاملات میں اور کچھ افراد وطبقات کے درمیان ضرور فرق پڑا جس کی مثالیں بھی ہیں تاہم اختلاف دین ومذہب کے باوجود عام طور پر عہد نبوی کے دونوں ادوار میں مسلمانوں نے غیر مسلم دوستوں کے ساتھ دوستانہ اور محبت آمیز رویہ اور تعلقات قائم رکھے۔ آپ ﷺ کے دوست حکیم بن حزام اسدی سے خود آپ کا تعلق قابلِ دید تھا حالانکہ وہ مدنی دور کے آخر میں اسلام لائے [33]۔ عبد الرحمٰن بن عوف اور امیہ بن خلف جمحی کا واقعہ مشہور ہے کہ کس طرح وہ ایک دوسرے سے تعلق قائم رکھے ہوئے تھے[34]

غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ؛

غیر مسلموں کو اسلام کے قریب کرنے کے لیے تحائف کا تبادلہ جائز ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ اگر اس سے اسلام کے اھون ہونے کا پہلو مترشح ہوتا ہو تو ہر گز جائز نہیں یا اسی طرح ان کے اعیاد و تہواروں پر تحائف دینا یہ بھی شرعاً ممنوع ہے، نیز یہ بھی شرط ہے کہ یہ کام کفار کی تعظیم اور ان کی سرداری کے تسلیم کرنے کو متضمن نہ ہو۔

آنحضور غیر مسلموں سے تحائف کو قبول کیا کرتے تھے اور سربراہانِ مملکت کے تحائف کو آپ خاص درجہ دیتے تھے، امام بخاری نے اس پر ایک باب بھی قائم کیا ہے جس میں ہے کہ مشرکین (غیر مسلمین) سے تحائف کو قبول کیا جاسکتا ہے[35]، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛

اِنَّ کَسریٰ اَھدٰی لَہُ فَقَبِلَ وَاِنَّ المُلُوکَ ھَدَوا اِلَیہِ فَقَبِلَمَنھُم[36]

بلاشبہ کسری نے نبی اکرم کو تحفہ بھجوایا تو آپ نے اسے قبول فرمایا اور اسی طرح دیگر بادشاہ بھی بھجوایا کرتے تھے اور آپ قبول کر لیا کرتے تھے۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں مقوقس کی طرف سے دیئے گئے تحائف کی ایک لمبی تفصیل بیان کیا ہے، انہی کے تحائف میں سیدہ ماریہ قبطیہ تھیں جن کے بطن سے ابراہیم بن محمد پیدا ہوئے ۔[37]، اسی طرح شاہِ روم کی طرف سے سونٹھ کا گھڑا اور ایلہ کے بادشاہ کی جانب سے خچر کا ہدیہ قبول کرنا بھی غیر مسلموں سے تعلقات کی دلیل ہے [38]، اسی طرح دومۃ الجندل کے اکیدر نے بھی آنحضور کو کپڑے بھجوائے جو آپ نے قبول فرمائے[39]

رہی یہ بات کہ غیر مسلم اگر قریبی ہو یا اسلامی معاشرے کا حصہ ہو تو کیا ان سے صلہ رحمی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز اس میں تعلقات کی کیا نوعیت ہو گی؟ تو نبی مکرم کی سیرت طیبہ سے اس بات کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے غیر مسلم قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کر سکتا ہے، جیسا کہ حرہتِ اسما بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا کی والدہ جو کہ مشرکہ تھیں وہ ان کو ملنے آئیں تو حرجت اسما ء نے نبی اکرم سے دریافت فرمایا تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان سے صلہ رحمی کرتے ہوئے ان کی عزت کرتے ہوئے گھر میں آنے دیں اور ان سے تحائف کو قبول کر لیں ، امام نووی فرماتے ہیں "فِیہِجَوازُ صِلَۃِ القَرِیبِ المُشرِکِ[40]" اس میں رشتہ دار سے صلہ رحمی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

غیر مسلموں کی عیادت؛

غیر مسلموں سے سماجی و معاشرتی تعلقات میں ایک اہم امر یہ بھی شامل ہے کہ ان کے مریضوں کی عیادت کی جائے۔ آنحضور ﷺ خود تشریفلے جاکر غیر مسلموں کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔ حرکت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک یہودی بچے کے گھر تشریف لے گئے جو کہ قریب الموت تھا اور آپ نے جا کر اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے قبول کر لی [41]، سلف بھی اسی

کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے اور اس بنا پر غیر مسلموں سے تعلقات کو قائم رکھتے تھے کہ ان کو دعوت کا موقع میسر رہتا ہے [42]، لہٰذا اگر مصلحت راجح ہو تو غیر مسلموں سے اس قسم کے تعلقات میں کوئی حرج نہیں۔

غیر مسلم سے تعزیت کرنا اور اس کا جنازہ؛

نبی مکرم کی سیرت مبارکہ سے غیر مسلم کے جنازہ کا احترام ان سے تعلقات کی بنا پر ثابت ہے۔ سھل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں تھے کہ ایک جنازہ گزرا تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے، کہا گیا یہ تو ذمی کا جنازہ تھا تو انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ نبی اکرم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا تو آپ اسی طرح کھڑے ہوئے تو صحابہ نے بھی اسی طرح کہا تو آپ سے نے فرمایا " أَ لَيسَتْ نَفْساً ؟ "کیا یہ ایک جان نہیں ہے [43]۔ جہاں تک تعلق ہے تجہیز و تکفین کا تو آنحضور نے ابو طالب کی وفات پر حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ اپنے والد کو غسل دیں اور انکی تجہیز و تکفین کا بندوبست کریں۔ حضرت علی واپس تشریف لائے تو آپ نے ان کو دعا دی جس کے بارے میں وہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ دعا مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔[44]

رہی بات تعزیت کی تو مذکورہ بالا روایت جس میں ہے کہ آپ ایک بچے کے گھر تشریف لے گئے علماء نے اس سے تعزیت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے استفسار کیا کہ یہودی یا عیسائی کی وفات ہو جائے تو اس کی اولاد یا قریبی رشتہ داروں سے تعزیت کیسے کی جائے؟ انہوں نے فرمایا کہ یوں کہو؛

اللہ تعالیٰ نے موت اپنی مخلوق پر لکھ کر دی ہے، دعا ہے کہ موت جو کہ ہماری نظروں سے اوجھل ہے جب آئے تو خیر کے ساتھ آئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، جو مصیبت آ ئی ہے اس پر صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہماری تعداد نہ گھٹائے، جبکہ حسن بصری ایک جملہ مزید فرمایا کرتے تھے کہ؛ اللہ تعالیٰ تمھیں وہ ثواب عطا کرے جو تمھارے ہم مذہب لوگوں کو عطا کرتا ہے [45]۔

غیر مسلموں کو دعا دینا یا سلامتی بھیجنا؛

دین اسلام خیر خواہی کا نام ہے، یہ اعلیٰ اخلاق اقدار کی تعلیم دیتا ہے اور دوسروں سے اظہار ہمدردی کرنا اور ان کی ترقی، راحت اور خوشحالی کی تمنا کرنا اور اس طرح ان کے حقوق میں دعا قلبی، سخاوت اور

وسعت ذہنی کی علامت ہے، اس لحاظ سے اس میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل ہیں اور اس بات کو غیر مسلم بھی جانتے تھے، اس لیے روایات میں مذکور ہے کہ وہ جان بوجھ کر آپ کے سامنے چھینکتے تھے تاکہ آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرمائیں لیکن آپ انہیں " یَرحمُکَ اللہُ " کہنے کی بجائے " یَھدِیکُمُ اللہُ وَیُصلِحُ بَالَکُم " کہا کرتے تھے۔[46]

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک یہودی سے پینے کے لیے کچھ مانگا اور اس کے دینے پر اسے دعا دی کہ اللہ تمھیں حسین و جمیل رکھے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ یہودی جب تک زندہ رہا اس کے بال سیاہ رہے[47]

البتہ غیر مسلموں کو سلام کرنا شریعت کی رو سے مقید اور مشروط ہے۔ علما نے اس کی کافی تفصیل ذکر کی ہے جسے ہم نکات کی صورت میں درج کر رہے ہیں؛

غیر مسلم کو سلام میں ابتدا نہ کی جائے، ارشاد نبوی ہے؛

لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ، فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ، فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ[48]

یہود و نصاریٰ کو سلام کا آغاز تمھاری طرف سے نہ ہو اور اگر ان میں سے کسی کو تم راستہ میں ملو تو اسے راستے کی تنگی کی طرف دھکیل دو۔

تنگ حصے کا مطلب یہ ہے کہ تعظیماً اکرام اراستہ خالی مت کرو بلکہ اسے ایک جانب سے گزرنے دو اور خود پر سکون گزر جاؤ نہ کہ دھکا دیکر اسے راستے سے ہی ہٹا دو[49]

بعض صحابہ کرام اور سلف صالحین اہل کتاب کو سلام میں ابتدا کر لیا کرتے تھے جیسا کہ ابو امامہ باھلی، ابن مسعود، فضالہ بن عبید رضی اللہ عنھم سے ثابت ہے اور وجہ یہ بتاتے تھے کہ سلام مسلمانوں کے لیے برکت کی دعا اور غیر مسلموں و ذمیوں کے لیے محض امن امان کا اظہار ہے۔[50]

بعض صحابہ کرام سماجی تعلقات اور تالیفِ قلبی جیسے اسباب کی بنا پر ذمیوں سے سلام کر لیا کرتے تھے جیسا کہ فتح الباری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ حافظ ابن حجر نے بحوالہ امام طبری نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ محض حقِ صحبت کی بنا پر ہے ، اسی طرح جب مسلمان اور غیر مسلم ایک ہی جگہ پر اکٹھے ہوں تب بھی سلام کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ آنحضور نے ایک مرتبہ اکٹھے بیٹھے ہوئے مسلمانوں اور

مشرکین کو سلام کیا تھا [51] اور اگر غیر مسلم جواب دے تو اس کو جواب میں محض " عَلَیکَ " یا "وَعَلَیکُم" کہنا چاہیے۔[52]

غیر مسلموں کا اکرام اور انکی مہمان نوازی؛

آنحضور کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غیر مسلموں کا احترام فرمایا کرتے تھے اور ان کی مہمان نوازی خود کرتے تھے۔ آپ ان سے تعلقات میں نرمی برتتے اور ان کو اسلام کے قریب لانے کے لیے ان کی ضیافت کا اہتمام فرماتے تھے، جیسا کہ وفد نجران کے ساتھ آپ کا برتاؤ مشہور ہے۔ اسی طرح اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنھا کو والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دینا بھی اس کی دلیل ہے۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق کے پاس ایک ذمی آیا تو انہوں نے اس کی عزت و توقیر کی، حاضرینِ مجلس میں موجود مسلمانوں نے اسے ناپسند جانا تو انہوں نے سورۃ ممتحنۃ کی آیت (لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ)[53] کا حوالہ دیا، البتہ جب ضرر کا اندیشہ ہو تو اس وقت بالکل بھی توقیر اور رعایت نہیں کی جائے گی۔ شیخ صالح الفوزان فرماتے ہیں؛

وکذلک من احسن الی المسلمین ولم یسئ الیھم ولم یحصل منہ اذی علیھم او حصل منہ احسان الی المسلمین فھذا یکافأ بالاحسان کما قال تعالی ؛(**لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ**)فالکفار الذین لا یحصل منھم اذی علی المسلمین او یبذلون مصلحۃ المسلمین فھولاء یکافؤون لأن دین الاسلام دین العدالۃ والوفا۔[54]

اس اسی طرح کفار میں سے جو مسابتوں سے حسن سلوک سے پیش آئے اور برا نہ کرے، نہ ہی کسی قسم کی تکلیف سے یا مسلمانوں کو اس سے کسی قسم کا فائدہ ہو تو اسے شخص کا احسان کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے (لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ)پس وہ غیر مسلم جو

کسی وجہ سے مسلمانوں کو تکلفی نہیں دیتا یا وہ مسلمانوں کی مصالح کے حصول میں داخل ہو تو ان کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ اسلام عدل وانصاف کا دین ہے جو لوگوں کو حقوق پورے ادا کرتا ہے۔

غیر مسلموں پر خرچ اور ان کی اعانت؛

غیر مسلموں کی مدد یا ان پر تنگی کے وقت انفاق آنحضور کی سیرت طیبہ سے اسکی کئے مثالیں ملتی ہیں۔ یہ آپ کا امتیاز اور وصف ہے کہ آپ نے مکہ میں بدترین دشمن ابوسفیان اور صفوان بن امیہ کو پانچ سو درھم بھجوئے اور فرمایا کہ ان کو مکہ کے ضرورت مندوں اور محتاجوں میں خرچ کریں [55] غیر مسلموں سے تعلقات کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک طرف اسلام کے بدترین دشمن ہیں جو اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں لگے تھے اور دوسری طرف پیغمبر عالم ہیں جو اپنے حلم اور عفوودرگزر کو اختیار فرمائے ان کی اعانت فرما رہے ہیں۔ اسی طرح آنحورر ایک یہودی گھرانے کو صدقہ دیا کرتے تھے ، صحابہ کرام نے آپ کی وفات کے بعد بھی یہ جاری رکھا[56]

اقتصادی تعلقات؛

کاروبار، خرید و فروخت، لین دین انسانی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ یہ مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں سے بھی کیے جاسکتے ہیں۔ خود آنحوار اسی قسم کا طرزِ عمل اختیار فرمایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں کہ آنحور کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کی ذرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی تھی[57]، علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں؛

دَلِيلٌ عَلَى جَوَازِ مُعَامَلَةِ الْكُفَّارِ، وَعَدَمِ اعْتِبَارِ الْفَسَادِ فِي مُعَامَلَاتِهِمْ[58]

یہ حدیث دلیل ہے کہ کفار سے معاملات جائز ہیں اور ان کے آپس کے معاملات کے فساد کا اعتبار نہیں ہو گا۔

البتہ حافظ ابن حجر نے شرط عائد کی ہے کہ یہ دیکھنا لازمی ہے کہ وہ معاملہ اسلام کو اصولوں کے منافی بھی نہ ہو اور کسی حرام شئے کی بیع بھی نہ ہو۔[59]، صحیح بخاری میں مشرکین سے خرید و فروخت کے جواز پر بھی روایت موجود ہے جس میں آپ ﷺ نے ایک مشرک سے بکری خریدی[60]

اجرت پر کام کرنا، کاروبار میں شرکت؛

غیر مسلموں سے کاروباری تعلقات میں شرعاً جواز موجود ہے۔ آنحولر ﷺ نے خیبر کی زمین یہود کو اس شرط پر دی کہ وہ پیداوار کا ایک مخصوص حصہ اسلامی حکومت کو ادا کریں گے۔ (61) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سے کاروباری تعلقات ریاستی سطح پر بھی قائم کیے جاسکتے ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ اس وقت ایک اسلامی ریاست کے سربراہ تھے۔ غیر مسلموں سے انفرادی طور پر شراکت یا ان کو اجرت پر رکھنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں، جیسا کہ کہ خود آنحضور ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے وقت ایک مشرک کو اجرت دیکر راستہ دکھانے کا کام سونپا۔ (62)

بعض فقاءنے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے پاس جاکر اس کی مزدوری کرے اس لیے کہ اس میں اسلام کی توہین ہے تو یہ بات محلِ نظر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ میں یہودیوں کے باغات میں جاکر کام کیا کرتے تھے، جیسا کہ ابن ماجہ میں حضرت علی کا قصہ موجود ہے، جب انھوں آنحضور کے لیے کھانے پینے کے سامان کا بندوبست کرنے کے لیے ایک یہودی کے باغ میں ڈول کھینچ کر پانی نکالنے کے عوض کھجوریں حاصل کیں۔ (63)، جناب خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے مکہ میں عاص بن وائل کے ہاں ایک لمبے عرصہ تک مزدوری کی اور اس پر اس سے اجرت طے کی تھی (64)

یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ عصرِ حاضر میں معاشرے کی ضروریات کو مشترکہ ادارے، فیکٹریاں یا کارخانے مل کر پورا کرتے ہیں جو یا تو نجی ہوتی ہیں لیکن اس میں ہر طبقہ کے افراد کام کرتے ہیں یا پھر حکومتیں انہیں براہِ راست چلاتی ہیں، ایسی صورتحال میں ان کو کام کے لیے عمال کی ضرورت ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں مسلمان اور کافر سب ملکر کام کرتے ہیں، تو یہ شرعاً جائز ہے اس لیے کہ یہاں معاشرے کی مصلحت کے لیے کام کرنا راجح ہے، ہاں اگر یہ کفار کے لیے ایسی اشیاءبنانے والے ادارے ہوں جو شرعاً حرام ہیں یا پھر ان سے مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہے تو یہاں کام کرنا ناجائز ہے۔

ازدواجی تعلقات؛

معاشرتی استحکام اور اقوام کا وقار خاندانوں کی تشکیل اور ان کے وجود پر ہوتا ہے اور اس امر کی بنیاد باہمی تعلقات پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ازدواج کا مسئلہ بلا تفریق ہر دین و مذہب میں اور ہر دور میں انسانی سماج کے اندر اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مختلف ادیان اور ان کے پیروکاروں کے مابین یہ بات تو مختلف

ہو سکتی ہے کہ ازدواج کے رسوم و آداب کیا ہیں لیکن ازدواجی تعلقات کی اہمیت سے کسی انکار کو نہیں۔ البتہ اب مغربی معاشرہ جن اقدار کی طرف گامزن ہے اس کالا محالہ نتیجہ اس نظامِ ازدواج کی شکست وریخت پر منتج ہوتا ہے۔ غیر مسلموں سے ازدواجی تعلقات میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اہلِ کتاب ہی وہ طبقہ ہے جس کی پاکباز عورتوں سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ (65)

اور وہ پاکباز عورتیں (بھی حلال ہیں) جو ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے

البتہ مشرکہ (کافرہ) سے ازدواجی تعلقات شرعاً ممنوع ہیں یہ خواہ مجوس سے ہوں، ہندووں سے یا کسی بھی اور مذہب سے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ (66)

اور مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

نیز فرمایا؛ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (67)

اور کافر عورتوں کو مت رکھو۔

صحابہ کرام نے جب یہ احکامات سنے تو اپنی مشرک بیویوں کو فوراً خود سے جدا کر دیا۔ حضرت عمر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جو مکہ میں مقیم تھیں ۔(68) دوسری طرف مسلمان عورتوں نے بھی اپنے مشرک خاوندوں کو سورہ ممتحنہ کی ان آیات کے اترنے پر چھوڑ دیا تھا(69)

خلاصہ کلام؛

اسلام کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان جس طرح اپنے دوسرے بھائی کے حق میں سلامتی کا پیکر ہوتا ہے اسی طرح وہ غیر مسلم کے حق میں بھی امن و سلامتی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ اسے کسی قسم کی تکلیف دینے کی بجائے اس سے حسنِ سلوک اور اچھے برتاو کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ نیک برتاو کرتا ہے اور اسے مذہب وعقیدہ کی تخصیص کے بغیر اس کے حقوق دیتا ہے۔ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود مقرر کی ہیں اور مختلف اصول وضوابط متعین کیے ہیں ان کی پاسداری بہر صورت ضروری ہے تاکہ اسلام کا تصیں بھی قائم رہے اور حکمتِ عملی سے اس کی دعوت و فکر بھی پھیلتی رہے۔ غیر مسلموں کو عدِ نبوی میں دیئے گئے حقوق اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ

اسلامی معاشرہ ان کو کس نظر سے دیکھتا ہے اور ان پر کس طرح کے قانونی اور اخلاقی ضابطے عائد کرتا ہے؟

یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ گزشتہ ادوار میں بلادِ اسلامیہ میں مقیم غیر مسلم اقوام کو دیئے گئے حقوق اور ان سے بنائے گئے تعلقات ہی اسلام کے تیزی سے پھیلنے کا موجب ہیں، چنانچہ ڈاکٹر گوسٹاف لیبن اس حوالے سے لکھتا ہے کہ "اسلام کی واضح، عالمگیر تعلیمات اور اس کے نظامِ عدل واحسان نے اقوامِ عالم میں اشاعتِ اسلام میں بھرپور کردار ادا کیا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہی وہ امتیازی خصوصیات تھیں جو بے شمار عیسائی اقوام کے قبولِ اسلام کا باعث بنیں۔"(70)

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان خواہ وہ اسلامی مملکت کا باشندہ ہو یا کسی غیر اسلامی جمہوری مملکت کا، وہ ہر مقام پر محبت لے پیغام کو عام کرنے والا ہوتا ہے، الفت کے پھول بکھیرتا ہے، وہ گفتار و کردار کے لحاظ سے سراسر امن وسلامتی کا پیکر ہوتا ہے اور اگر کسی عملی خرابی کا شکار ہے تو وہ اسے دور کرے تاکہ اس کا یہ پہلو کسی غیر مسلم کو اسلام کی تعلیمات سے دور کرنے کا باعث نہ بنے، اسے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے وجود بخشا گیا ہے تو وہ اپنی اس ذمہ داری کو بطریقِ احسن پورا کرے اور اپنے دینی ورثے کی ہر طور حفاظت کرے۔

حوالہ جات وحواشی

(1)۔ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، الانصاری، المکتبۃ الازھریۃ للتراث، القاھرۃ، س ن، ص:72

(2)-مولوی، زکاء اللہ، تاریخ ہندوستان، مطبع علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ، طبع دوم،1919ء، ج،4، ص،213

(3) Oxford Advanced Learner's Dictionary 9th edition © Oxford University Press, 2015،-

(4)-(التوبۃ:28)

(5)-البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، 1999ء، الصلاۃ، باب فی دخول المشرک المسجد، ح:469

(6)-ابن هشام، السيرة النبوية، تحقيق، مصطفى السقا، مكتبة مصطفى البابي، الطبعة الثانية، 1955ء، ج،2، ص،525

(7)-السجستاني، ابو داود، سليمان بن اشعث، السنن، دار السلام، الرياض، الطبعة الثانية، 1999ء، خراج، فى خبر الطائف، ح:3026

(8)-الشوكاني، محمد بن علی، فتح القدير، دار ابن كثير، الطبعة الثانية،1414ھ، ج،2، ص،399

(9)-(المائدة:48)

(10)-ابو داود، السنن، تفريع ابواب الجمعة، باب صلاة العيدين، ح،1134

(11)-(الفرقان؛72)

(12)-الجوزی، ابو الفرج، عبد الرحمٰن بن علی، زاد المسير، دار الكتاب العربی، بيروت، الطبعة الاولىٰ، 1422ھ، ج،3، ص،331

(13)-ابن تيميه، احمد بن عبد الحليم، مجموع الفتاوى، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية،1416ه-/1995م، ج،25، ص،239

(14)-العسقلاني، بن حجر، أحمد بن علي، فتح الباري شرح صحيح البخاري، دار المعرفة - بيروت، 1379 ج،13، ص،37

(15)-ابن تيمية، احمد بن عبد الحليم، اقتضاء الصراط المستقيم، دار عالم الكتب، بيروت، لبنان، الطبعة السابعة،1419ه- - 1999م، ج، ٢، ص،527

(16)-الحنفی، ابن نجيم، زين الدين بن ابراهيم بن محمد، البحر الرائق شرح كنز الدقائق، دار الكتاب الاسلامی، بيروت، الطبعة الاولىٰ، س ن، ج،5، ص،133

(17)-العثيمين، محمد بن صالح بن محمد، مجموع الفتاوى، جمع وترتيب: فهد بن ناصر بن إبراهيم السليمان، دار الوطن - دار الثريا، الطبعة، الأخيرة-1413ھ، ج، 3، ص،45

(18)-(التوبة:33)

(19)-ابو الاعلیٰ، مودودی، اسلامی ریاست، مکتبہ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، الطبعة دوم، 1998، ص 610

(20)-الكاساني، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية، 1986م، ج،4، ص،176

(21)-ابو الاعلیٰ، مودودی، سلامی ریاست؛ 611

(22)-الفوزان، صالح بن فوزان، احكام التعامل مع غير المسلمين، كنوز اشبيليا، الرياض، 1429ھ، ص،23

(23)-ابن كثير، إسماعيل بن عمر بن كثير، أبو الفداء، تفسير القرآن العظيم، دار طيبة للنشر والتوزيع، الطبعة الثانية، 1420ھ- 1999م، ج،2، ص40

(24)-القرطبي، محمد بن أحمد بن أبي بكر، الجامع لأحكام القرآن، دار الكتب المصرية، القاهرة، الطبعة الثانية، 1384ھ- 1964م، ج،6، ص،76

(25)-ابن كثير، تفسير القرآن الكريم، ج،2، ص، 41،

(26)(البخاری، الجامع الصحیح، الادب، الوصاة بالجار، ح،6014

(27)-محمد، رشيد بن علي رضا، تفسير القرآن الحكيم المعروف بتفسير المنار، الهيئة المصرية العامة للكتاب، 1990م، ج،5، ص،75

(28)-القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج،5، ص،17

(29)-ابوداود، السنن، الادب، باب من يومر ان يجالس، ح؛4832

(30)-العظيم آبادي، شرف الحق، محمد أشرف بن أمير، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، 1415ھ، ج، ١٢، ص،179

(31)(الکھف:37)

(32)-ابوداود، الجهاد، النهى عن القتل من اعتصم بالسجود، ح،2645

(33)-ابن الأثير، أبو الحسن، محمد بن محمد بن عبد الكريم، أسد الغابة في معرفة الصحابة، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1415ھ- 1994م، ج،2، ص،58)

,(34)-البخاری، الجامع الصحیح، الوکالة، باب إذا وكل المسلم حربيا في دار الحرب، ح،2301

(35)-البخاری، الجامع الصحیح، الهبة وفضلها، باب قبول الهدية من المشركين

(36)-الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، الجامع الکبیر، دارالسلام، الطبعۃ الثانیۃ، الریاض، 1998ء، السیر، فی قبول ھدایا المشرکین، ح،1576

(37)-ابن الأثیر، محمد بن محمد بن عبد الکریم، أسد الغابۃ في معرفۃ الصحابۃ، ج،1، ص،659

(38)-العینی، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسی، عمدۃ القاري شرح صحیح البخاري، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، ج9، ص،64

(39)-ابن الأثیر، محمد بن محمد بن عبد الکریم، أسد الغابۃ في معرفۃ الصحابۃ، ج،1، ص،135

(40)-(النووي، یحیی بن شرف، محیي الدین، المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ،1392ھ، ج،7، ص،89)

(41)-البخاری، الجامع الصحیح، الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات---، ح1356

(42)-ملاحظہ ہو: الصنعانی، عبد الرزاق بن ھمام، المصنف، المجلس العلمي، الھند، الطبعۃ الثانیۃ، 1403ء، ج،۴، ص،472

(43)-البخاری، الجامع الصحیح، جنائز، من قام لجنازۃ الیھودی، ح،1312

(44)-الإمام، أحمد بن محمد بن حنبل، الشیباني، المسند، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الأولی، 1421ھ--2001م، ج،2، ص332، ح:1093

(45)-ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص،235)

(46)-ابوداود، السنن، ادب، کیف یشمت الذی، ح،5038

(47)-الصنعانی، عبد الرزاق بن ھمام، المصنف، ج،10، ص،392، ح،19462

(48)-القشیری، مسلم بن الحجاج، الصحیح، دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، 1998ء، السلام، النھی عن اھل الکتاب بالسلام، ح،2167

(49)-ابن حجر، فتح الباري شرح صحیح البخاري، ج،11، ص،40،

(50)-فتح الباری، ج،11، ص،39، قال اخرجہ الطبری بسند جید

(51)-البخاری، الجامع الصحیح، استیذان، باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین،

(52)-القشیری، مسلم بن الحجاج، الصحیح، السلام، النھی عن ابتدا اھل الکتاب بالسلام،2164

(53)-(الممتحنۃ:8)

(54)۔ الفوزان، التعامل مع غیر المسلمین، ص،20

(55)-ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ،1412ھ- - 1992م،ج،2،ص،252

(56)- أبو عُبید، القاسم بن سلاّم بن عبد اللہ، کتاب الأموال، دار الفکر، بیروت، ص،729

(57)-البخاری، الجامع الصحیح، الجھاد والسیر، باب ماقیل فی درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، والقمیص فی الحرب، ح،2916

(58)-ابن دقیق العید، إحکام الإحکام شرح عمدۃ الأحکام، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، بدون طبعۃ وبدون تاریخ، ج،2،ص،145

(59)-فتح الباری، ج،5،ص،141

(60)-البخاری، الجامع الصحیح، البیوع، باب الشراء والبیع مع المشرکین واھل الحرب، ح،2216

(61)-البخاری، الجامع الصحیح، الشرکۃ، مشارکۃ الذمی والمشرکین فی المزارعۃ، ح،2499

(62)-البخاری، الجامع الصحیح، الاجارۃ، باب استئجار المشرکین عند الضرورۃ، أو: إذا لم یوجد أھل الإسلام، ح،2263

(63)-القزوینی، محمد بن یزید، ابن ماجہ، السنن، دار السلام، الریاض، الطبعۃ الثالثۃ، 2001ء، الرھون، باب الرجل یستقی کل دلو بتمرۃ، ویشترط جلدۃ، ح،2446

(64)-بخاری، الجامع الصحیح، الاجارہ، ھل یواجر الرجل نفسہ من مشرک فی ارض الحرب، ح،2275

(65)-المائدۃ:5

(66)-البقرۃ:221

(67)-الممتحنۃ:10

(68)-بخاری، طلاق، نکاح من اسلم من المشرکات وعدتھن، ح،5287

(69)-فتح الباری، ج،5،ص،437

(70)-لیبن، گوسٹاف، حضارۃ العرب، طبعہ اولیٰ، مکتبۃ الاسرۃ، ص،125